اکبر اور اورنگ زیب کے ادوار میں نظامِ عدل گستری: عمومی جائزہ

محمد منیر ⚙　　　　ترجمہ: افتخار الحسن میاں ⚙⚙

۱-تعارف

اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں جب سندھ محمد بن قاسم کے زیر نگین آیا تو مسلمان ایک عظیم تعداد میں اس کے ہمراہ آئے۔ غور کے معزالدین محمد بن سام نے پنجاب کو خلافت کا جزو بنالیا۔[1] بعد ازاں محمود غزنوی نے پنجاب کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ مسلم سپہ سالار شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۲ء میں دہلی فتح کیا۔

خاندان غلامان کے قطب الدین ایبک نے ۱۲۰۶ء میں سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی، اگرچہ ابتدائی طور پر قطب الدین ایبک نے اپنے آقا سلطان معزالدین محمد بن سام کے نائب کی حیثیت میں دہلی کو اپنا مرکز بنالیا تھا، تاہم سرکاری طور پر سلطنت کا قیام اُس وقت وجود میں آیا جب یہ نائب ۱۲۰۶ء میں اپنے آقا سلطان کی وفات کے بعد خود

⚙ ایسوسی ایٹ پروفیسر، فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لا، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

⚙⚙ اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

1- Minhaj al-Din b. Siraj al-Din al-Juzjani, *Tabakat-i-Nasiri*, trans. & ed., H. M. Elliot & John Dowson (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006), 41-47.

نیز دیکھیے:

I. H. Qureshi, *The Administration of the Sultanate of Delhi* (Karachi: Pakistan Historical Society, 1958), 26.

ہندوستانی ریاستوں اور مدینہ کی مسلم ریاست کے درمیان تعلقات کا خلیفہ دوم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے کھوج لگایا جاسکتا ہے، جب سرندیپ (ہندوستان) کے ایک وفد نے ان کے ابتدائی ایام میں ان سے ملاقات کی تھی۔ ہندوستانی بندر گاہوں مثلاً مالابار نے بہت سے مسلم تاجروں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ ۱۵ ہجری میں مسلم ریاست نے آج کے بلوچستان اور سندھ کے علاقوں میں مہمات روانہ کی تھیں۔ مسلمانوں نے ۲۱ھ میں مکران کو فتح کیا تھا۔ امام الدین محمد بن قاسم تک مسلم مہمات کی تفصیلی روداد کے لیے ملاحظہ کیجیے: ق، اختر مبارکپوری، **ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں**، (اردو) (کراچی: مکتبہ عارفین، ۱۹۷۶ء)۔

مستقل بادشاہ بنا۔ خاندان غلامان کی حکومت ۱۲۹۰ء تک قائم رہی، پھر مسلمانوں کی دوسری حکومت خلجیوں نے اقتدار میں آنے پر قائم کی۔ انھیں تغلق فاتحین نے شکست دے کر تیسری مسلم حکومت ۱۳۲۰ء میں قائم کی۔ اس کے بعد سادات خاندان نے تغلق حکومت کو شکست سے دوچار کرکے ۱۴۱۴ء میں اپنی بادشاہی کی بنیاد رکھی۔ یہ حکومت بھی ۱۴۵۴ء تک برقرار رہی۔ لودھی خاندان کے فاتحین نے انھیں شکست دے کر ۱۵۲۶ء تک اس خطے پر اپنی حکم رانی کو قائم کیے رکھا۔ لودھیوں کو ظہیر الدین بابر نے شکست دے کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان ہندوستان میں اپنے کمال اقتدار کو پہنچ گئے۔ بابر کے فوراً بعد آنے والے چھ غیر معمولی بادشاہوں نے ۱۵۲۶ء سے ۱۷۰۷ء تک حکومت کی۔ مغل بادشاہت میں سوری حکم رانوں کے سبب ۱۵۳۹ء سے ۱۵۵۵ء تک تعطل رہا جو ہمایوں کی تخت پر بحالی سے ختم ہوا۔[۲] ہمایوں نے اپنی بادشاہت کی بحالی سے سوری خلافت کے نظریے کو ختم کر دیا۔[۳]

اگرچہ مغل حکومت ۱۸۵۷ء تک برقرار رہی۔ تاہم ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد یہ تنزل کا شکار ہو چکی تھی۔ اس مقالے کے موضوع کی مناسبت سے ہم اکبر (۱۵۵۶ء-۱۶۰۵ء) نیز اورنگ زیب (۱۶۵۸ء-۱۷۰۷ء) کے ادوار میں عدالتی نظام پر توجہ مرکوز رکھیں گے، کیوں کہ انھی دو ادوار میں یہ اپنے کمال کو پہنچا تھا۔ تاہم ان دو ادوار کے درمیان میں جہانگیر کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس تصویر کو مکمل کرنے کی غرض سے اس کو زیر بحث لانا ضروری ہے۔

۲- ۱۵۴۲ء میں شکست کے بعد ہمایوں فرار ہونے پر مجبور ہوا تھا اور اس نے شاہ تہماسپ کے دربار میں پناہ لی تھی۔ بعد ازاں اس نے اپنے بھائیوں کو ۱۵۴۵ء میں شکست دے کر قندھار اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں شیر شاہ سوری ایک جنگ میں راجپوتوں کے ہاتھوں شہید ہو گیا اور ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے لاہور میں افغانوں کو شکست دے کر اپنی بادشاہت دوبارہ حاصل کر لی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

C. Paul Mitchell, *Sir Thomas Roe and the Mughal Empire* (Karachi: Mehran Printers, 2000), 3-4.

۳- ملاحظہ ہو:

Qureshi, *The Administration of the Sultanate of Delhi*, 38.

نیز دیکھیے:

S. A. Q. Husaini, *Administration Under the Mughals* (Dacca: The Paradise Library, 1952), 22-30.

اس وقت تک کام یاب مسلم حکم ران خود کو خلیفہ کا نمائندہ تصور کرتے تھے۔

اکبر اور اورنگ زیب مذہبی طور پر ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے، اس لیے انھوں نے متضاد سیاسی ماڈل پیش کیے۔ اکبر نے اسلام اور ہندو مت کے درمیان ایک امتزاج پیدا کیا۔ اس کی نئی طرز (طریقت) کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ اس میں ہندو مت کو ضم کر دیا گیا تھا، جس کا مقصد ثقافتی اور مذہبی میدانوں میں ان سے مفاہمت پیدا کرنا تھی۔ مسلمانوں نے اسے مسترد کر دیا مگر ہندو رعایا نے اسے سراہا۔ عدالتی نظام اکبر اور اورنگزیب کے ادوار میں ایک جیسا تھا جس کی آگے وضاحت کی جائے گی۔ اورنگ زیب کے استثنا کے ساتھ ہندوستان میں مغل حکومتیں سیکولر مزاج کی تھیں، تاہم خود حکم ران انتہائی مذہبی لوگ تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو ایسا بادشاہ بھی ظاہر نہیں کیا تھا جو رعایا کے صرف ایک طبقے کے مفادات کا نگہبان ہو۔ حکومت کے معاملات میں انھوں نے تمام قومیتوں میں ہمیشہ ایک توازن قائم رکھا۔

۲-عدلیہ اکبر کے عہد میں

اس عہد کے حامل مغل حکم رانوں نے فرامین کے ذریعے حکومت کی۔ سلطان ہی منتظم اعلیٰ، مطلق قانون ساز اور ریاست کا چیف جج ہوتا تھا۔ یہ تینوں اختیارات اسی میں مرتکز ہوتے تھے۔ اکبر نے قانون کے ذریعے گایوں کا قتل ممنوع قرار دے دیا تھا، کیوں کہ یہ ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے مجرمانہ فعل تھا۔ اس نے ہندو رعایا کو خوش کرنے کے لیے اپنے عہد حکومت کے آغاز میں جزیہ کو ختم کر دیا تھا۔[۴] اس نے بڑی تعداد میں ہندوؤں کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا۔[۵] ابوالفضل ابن مبارک بیان کرتا ہے کہ "سلاطین کے نزدیک رعایا کی خدمت عبادت کا درجہ رکھتی ہے"۔[۶] ملا عبدالقادر بدایونی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ اکبر کی تاکید تھی کہ ہندوؤں کے مقدمات کے فیصلے ہندو جج کریں، نہ کہ مسلمان قاضی۔[۷]

۴- گذشتہ مسلم حکم رانوں کے ادوار میں ہندو ذمی شمار ہوتے تھے، یعنی وہ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے جزیہ کی ادائگی پر عسکری ذمے داریوں سے مستثنیٰ تھے۔

۵- اکبر کی مذہب سے روگردانی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
Anwar Ahmad Qadri, *Justice in Historical Islam* (Lahore: Sheikh Muhammad Ashraf, 1968, reprinted, 1974), 12-115.

6- Sheikh Abul Fadl, *A'in-i-Akbari*, Vol. I, trans. H. Blochmann, ed., D. C. Phillott (Calcutta: Asiatic Society, 1927, reprinted Lahore: Qausain, 1975), 163.

7- Abdul Qadar Badauni, *Muntakhab al-tavarikh*, trans. & ed., G. Ranking (Calcutta :Bibliotica Indica, 1898-1925), 2: 356.

اکبر اپنے سیکرٹری ابوالفضل کے زیر اثر تھا جس نے **اکبر نامہ** لکھا۔[۸] اس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ تفرد کا شوقین تھا۔ وہ اکبر کے نئے فرقے کا بڑی حد تک اصل بانی کہلا سکتا ہے یا اس طریقت کا جس کے ذریعے وہ روایت پسندی کو بڑی حد تک ترک کر چکا تھا۔[۹] ہندوستان میں مسلم حکم رانوں کی کام یابی کا تحفظ ان کی

8- Abul Fadl, *Akbarnamah*, trans. & ed., H. Beveridge, 3 volumes (Calcutta, Biblioteca Indica, n. d., reprinted New Delhi, 1993).

مشہور **آئین اکبری** شیخ ابوالفضل کی کتاب **اکبر نامہ** کی تیسری جلد ہے۔ اس میں وہ اکبر کے عہد حکومت کے واقعات بیان کرتا ہے۔ اسے عنایت اللہ نے ابوالفضل کی وفات کے بعد مکمل کیا تھا۔

۹- بعض مؤرخین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ اکبر نے کوئی نیا دین "دین الٰہی" ایجاد کیا تھا۔ ان کا موقف ہے کہ اس نے شاید ایک فرقہ یا طریقہ ایجاد کیا تھا، نیا دین نہیں۔ دیکھیے: ایم اکرام، **رودِ کوثر** (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۲ء)، ۱۲۷–۱۳۱؛ نیز

I. H. Qureshi, *The Administration of The Mughal Empire* (New Delhi: Atlantic Publishers, 1990), 33.

اقتدار عالم خان کے مطابق اکبر اپنے عہد کے آغاز میں بہت مذہبی آدمی تھا، کیوں کہ اس نے خواجہ معین الدین چشتی (علیہ الرحمۃ و رضوانہ) کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا۔ اس پر وحدت الوجود کے صوفیانہ نظریۂ فنا کے بھی اثرات تھے۔ بعد ازاں اس پر شیخ ابوالفضل بن مبارک، فیضی، غازی خان، بدخشی اور دیگر کے بھی اثرات مرتب ہوئے تھے۔ اکبر کے تصور مذہب کی پہچان صلح کل سے کروائی گئی تھی۔ ابوالفضل زور دے کر کہتا ہے کہ صلح کل کی روح کے فقدان کے باعث ہندستان سماجی تضادات کا شکار تھا۔ وہ اس کا الزام نظریۂ تقلید کو دیتا ہے جس پر ہندوستانی مسلمان عمل پیرا تھے، علم اور دلیل کا انحطاط جس کی بنیادی وجوہ تھیں۔ دیکھیے:

I. Alam Khan, Akbar's Personality Traits and World Outlook–A Critical Reappraisal, in *Akbar in His India*, ed., Irfan Habib (Delhi: Oxford University Press, 2001, fifth impression, 2005), 86-88.

تاہم اختر علی کا موقف ہے کہ یہ شاید صرف اٹھارہ انیس پیروکاروں کا ایک محدود حلقہ تھا جو دین الٰہی پر اعتقاد رکھتا تھا جس میں ابوالفضل وغیرہ شامل تھے۔

M. Athar Ali, Akbar and Islam (1581 – 1605), in *Islamic Society and Culture: Essays in Honour of Professor Aziz Ahmad*, eds. M. Israel and N. K. Wagle, (Delhi: 1983), 127.

پروفیسر عزیز احمد کے اعزاز میں مضامین، تدوین: ایم اسرائیل اور این کے ویگل (دہلی: ۱۹۸۳)، ۱۲۷، جب کہ مختار شاہد اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ دیکھیے ان کی مختصر کتاب **دین الٰہی۔ آغاز سے انجام تک** (لاہور: شاہد پبلشرز، س۔ن)، اس کتاب میں کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ اس لیے یہ تاریخ کی معیاری کتاب شمار نہیں کی جا سکتی۔ بدیوانی کے مطابق اکبر مرتد ہو گیا

جانب سے قدیم سنی خلافت اور بہ یک وقت غیر مسلم آبادی کے نفور اور امکانی طور پر جارحانہ رد عمل کو کم کرنے کے لیے ان کے درمیان خط اعتدال کھینچنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اکبر یقین رکھتا تھا کہ:

> عدل اور عوامی مفادات یکساں طور پر تمام رعایا کے لیے بروئے عمل لانے لازم ہیں۔ بادشاہ ظل الٰہی ہے اور الٰہامی رحمت کا عطیہ اہل ایمان اور غیر مسلموں سب کے لیے ہے۔ بادشاہ کو لازمی طور پر کم زوروں کو ظلم سے نجات دلانی چاہیے، کیوں کہ پیغمبر (ﷺ) فرماتے ہیں کہ "مظلوم خواہ کافر ہو، اس کی بد دعا کو خدا مسترد نہیں کرتا۔"(۱۰)

اکبر کے منصوبے کا خاص طور سے فائدہ اس کی ہندو رعایا کو ہوا۔ ایک ایسے ملک کے لیے، جس کی تمام تر معیشت اس کی زراعت تھی، اکبر کی نمایاں ترین خدمت محصولات کے تخمینے کا نظام وضع کرنا تھا۔ اس کے متعارف کردہ ضابطی نظام کے تحت اس نے ٹیکس کی ایک مقدار متعین کر دی جو زمین داروں کے لیے بہت مناسب تھی۔ پرانے نظام کے تحت ہر فصل کی قیمت اس کے موسم میں طے کی جاتی تھی۔ اس نے تمام ملک کو ۱۱۹ دستوروں (حلقہ ہائے تخمینہ) میں تقسیم کر دیا۔ مختلف دستوروں کے ہر علاقہ کی زمین کی زرخیزی کے حساب سے ایک مقررہ رقم (ٹیکس) کی ادائگی لازم کی۔ یہ نظام بھارت اور پاکستان میں آج بھی کسی بڑی تبدیلی کے بغیر رائج ہے۔

ابوالفضل، اکبر اور قاضی القضاۃ عبد النبی کے مابین اختلاف کا ذمے دار تھا۔ اختلاف کی وجہ دل چسپ ہے۔ متھورا کے قاضی نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ ایک ہندو برہمن نے اسلام سے اپنے بغض کی وجہ سے تعمیراتی سامان ہٹا دیا۔ قاضی نے برہمن کو اپنی عدالت میں طلب کر لیا۔ متکبر برہمن نے نہ صرف حکم عدولی کی، بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں نازیبا زبان بھی استعمال کی۔ مقامی قاضی نے قاضی القضاۃ کو اطلاع دی جس نے برہمن کو اپنی عدالت میں طلب کیا اور اسے توہین رسالت کا مرتکب قرار دیا۔ عبد النبی کی طرف سے برہمن کو سزائے موت دی گئی۔ چوں کہ موت کی تمام سزاؤں کی بادشاہ سے منظوری لازمی تھی، اس لیے یہ مقدمہ بھی قاضی القضاۃ کی طرف سے اکبر کو بھجوایا گیا۔

تھا، اذان پر پابندی لگائی تھی۔ عربی زبان کی تعلیم و تدریس سے منع کیا تھا؛ اکبر سورج کی عبادت کرتا تھا، عیسائیت کا پرچار کرتا تھا اور احمد، محمد اور مصطفیٰ نام رکھنے کو برا سمجھتا تھا۔ ملاحظہ ہو: بدایونی، منتخب، ص ۳۱۲ نیز اقتدار عالم خان، Akbar's Personality Traits and World Outlook–A Critical Reappraisal، ص ۹۳–۹۴، اکبر کے بعض درباریوں نے جن کے یہ نام تھے؛ اپنے نام تبدیل کیے تھے، لیکن ایسا کرنا صحیح تھا کیوں کہ گدھے کو جواہرات کا تاج نہیں پہنایا جاتا۔ احمد، محمد اور مصطفیٰ تو ناموں کے تاج ہیں اور غلط لوگوں کے لیے یہ نامناسب ہیں۔

10– Abul Fadl, *Akbarnamah*, 3:257.

اکبر نے برہمن کو سزائے موت دینے سے انکار کر دیا، کیوں کہ وہ خود بھی صحیح دین کو ترک کر چکا تھا۔ مزید برآں اکبر کے ساتھ کام کرنے والے بااثر ہندو عہدے داروں نے برہمن کی طرف سے اس پر دباؤ ڈال کر اسے سزا سے بچانے کے لیے اپنا اثر رسوخ استعمال کیا۔ اکبر نے مقدمے کے حقائق معلوم کرنے کے لیے خفیہ تحقیق کا حکم دیا اور یہ کام عبد النبی کے ایک بدترین مخالف کے سپرد کیا۔ تاہم تحقیق نے جرم کی تصدیق کر دی۔ اکبر اس کے باوجود برہمن کو سزائے موت دینے میں تذبذب کا شکار رہا اور عبد النبی نے سزائے موت پر اصرار کیا۔ جب اکبر کوئی درمیانی راستہ تلاش نہ کر سکا تو اس نے کوئی واضح حکم نہ دیا اور معاملہ عبد النبی پر چھوڑ دیا جس نے اس شخص کو سزائے موت دے دی۔ اکبر نے ایسا اس لیے کیا کیوں کہ وہ فیصلے کو منسوخ کرنے کی ذمے داری اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا تھا۔[۱۱]

اکبر نے تمام موجودہ قاضیوں کو برطرف کر دیا اور اعلیٰ عدالتی اور مذہبی مناصب پر تقرر کے لیے اپنے مذہبی فلسفے سے شرطِ استواری کو لازمی قرار دے دیا۔[۱۲] مزید یہ کہ ادائگیوں اور مذہبی عطیات میں کمی کر دی اور مرحلہ بہ مرحلہ یہ سرکاری عطیات پانے والوں کو مکمل طور پر محروم کر دیا۔ مذکورہ بالا واقعے کے علاوہ عدلیہ بالعموم آزادانہ طور پر اپنے فرائض سرانجام دیتی رہی۔[۱۳] آزاد منش علما ابو الفضل کے والد شیخ مبارک کے گرد جمع ہو گئے تا کہ اکبر کو اعلیٰ ترین قانونی اختیار کا مالک اور شہنشاہ بنا سکیں۔

اس غرض سے شیخ مبارک نے ایک دستاویز تیار کی اور تمام درباری علما کو اس پر دست خط کرنے پر مجبور کیا۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اگر ماہرین (فقہ) کسی قانونی نکتے پر اختلاف کریں تو اکبر کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار

۱۱- عبد القادر بدایونی، مصدرِ سابق، ۲: ۸۰-۸۳؛ عبد القادر بدایونی، ابو الفضل کے والد شیخ مبارک کے شاگرد تھے۔ دیکھیے: مختار شاہد، **دین الٰہی: آغاز سے انجام تک**، ۵۴؛ **آئینِ اکبری** کے مترجم بیان کرتے ہیں کہ اکبر نے اپنے چیف جسٹس قاضی عبد النبی کو حج کے لیے روانہ کرتے ہوئے مکہ کے غربا کے لیے کچھ رقم دی تھی، جب وہ واپس آیا تو اسے اس رقم کے حسابات دینے کے لیے اس نے طلب کیا۔ غالباً وہ بادشاہ کو مطمئن نہ کر سکا اس لیے اسے جیل میں قید کر دیا گیا جہاں اسے کسی بدمعاش نے قتل کر دیا۔ دیکھیے: ابو الفضل کی تصنیف **آئینِ اکبری**، ۲۸۳۔

۱۲- ابو الفضل، **آئینِ اکبری**، ۲۷۴۔

13- I. H. Qureshi, *The Administration of The Mughal Empire* (New Delhi: Atlantic Publishers, 1990), 186.

حاصل ہو کہ کون سی تعبیر وہ نافذ کرنا چاہتا ہے، اس دستاویز کو محضر کہا جاتا تھا۔[۱۴] یہ منصوبہ کام یاب نہ ہو سکا کیوں کہ تاریخ سے کسی ایسی صورت حال کے وقوع کا پتا نہیں چلتا جس میں علما نے اس حد تک اختلاف کیا ہو کہ اکبر کو ذاتی طور پر مداخلت کرنا پڑی ہو۔

ابوالفضل نے اکبر کو اعلیٰ ترین انصاف دہندہ کے طور پر پیش کیا اور اس کا خوب چرچا کیا۔ بدایونی کو اصرار ہے کہ اکبر اسلام سے مرتد ہو چکا تھا کیوں کہ اس نے اذان اور عربی زبان پر پابندی عائد کر دی تھی جب کہ سورج پرستی اور عیسائیت کو پھیلایا اور احمد، محمد اور مصطفی ایسے مبارک نام رکھنے کو جرم قرار دیا تھا۔[۱۵]

عدالتی معاملات میں شہنشاہ کے کردار کا واضح مظہر جھروکہ درشن کا انقلابی آغاز تھا جو ایسا ہندو ادارہ تھا جس کی اختراع اکبر نے کی تاکہ عام لوگوں کو درشن کی سہولت میسر آسکے۔ مچل کے مطابق ''اس طرح کی سابقہ ہندو سہولت (بلڈنگ: جھروکہ درشن) کو اختیار کرنا ان بہت سی مثالوں میں ایک مثال تھی جو سولھویں اور سترھویں صدی کے دوران میں مسلمانوں کو ہندوستانی بنانے کے لیے عام تھیں''۔[۱۶] بالعموم مغل بادشاہ غیر جانب دار تھے اور وہ رعایا کو عدل فراہم کرنے میں بے لچک تھے۔ ابوالفضل بیان کرتا ہے کہ ''بادشاہ اپنے دربار میں رشتے دار اور اجنبی نیز ایک سردار اور الجھے ہوئے بالوں والے بھکاری (سادھو) میں کوئی فرق روا نہ رکھتا تھا''۔[۱۷] اکبر نے ایک شخص چنگیز خان کو قتل کرنے پر اس کی ماں کی شکایت پر گجرات کے سپہ سالار کو سزائے

۱۴- محضر دراصل ان ممتاز علما کی ایک مجلس تھی جنھوں نے اکبر کی حمایت کی تھی۔ وہ اکٹھے ہو کر مختلف مسائل پر غور کرتے اور اتفاق رائے سے حل نکالتے تھے۔ اگر کسی شرعی مسئلے میں ان کا اختلاف ہو جاتا تو اس کا فیصلہ اکبر خود کرتا تھا۔ دیکھیے: محمد اکرام، **رودِ کوثر**، ۱۰۲۔ یہ بات لائق توجہ ہے کہ مختلف انگریز مصنّفین نے محضر کا املا مختلف انداز سے کیا ہے۔ دیکھیے:

C. Paul Mitchell, *Sir Thomas Roe and the Mughal Empire*, (Karachi: Mehran Printers, 2000), 12.

اس دستاویز کا مقصد بدایونی نے اپنی کتاب **منتخب التواریخ** میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ۲۷۰-۲۷۲، اسی کو ابوالفضل نے **آئینِ اکبری** کے ص ۱۹۵-۱۹۶ پر دیا ہے۔

15- C. Paul Mitchell, *Sir Thomas Roe and the Mughal Empire* (Karachi: Mehran Printers, 2000), 195.

۱۶- ابوالفضل، **اکبر نامہ**، ۳۸۷۔

17- I. H. Qureshi, *The Administration of The Mughal Empire*, 186.

موت دے دی۔[۱۸] اکبر کی عدالتی حکمتِ عملی، انسان دوستی کے اصول، صلح کل پر مبنی دکھائی دیتی ہے اور جزوی طور پر اس کا مقصد ان راجپوتوں کی حمایت حاصل کرنا تھا جو مغل دربار میں اہم مناصب پر فائز تھے۔

دوسرا اہم مغل بادشاہ جس کا ذکر اس مقالہ میں اکبر کے بعد اور اورنگ زیب سے پہلے کرنا مناسب ہے، وہ جہانگیر ہے، جو ۱۶۰۵ء میں تخت آرا ہوا اور اپنے والد کی بیان کردہ منصف حکم ران کی تعریف پر پورا اترا۔ بادشاہ کے طور پر اس نے جو پہلا حکم دیا، وہ زنجیرِ عدل باندھنے کا تھا تاکہ جو ذمہ داران نظام عدل سے وابستہ ہیں، اگر تاخیر کریں یا دادرسی کے معاملے میں منافقت کریں تو مظلوم اس زنجیر تک آکر اسے ہلائے تاکہ اس کا شور توجہ مبذول کرا سکے۔[۱۹] اس کے بعد اس نے بارہ احکام صادر کیے جو دریا کو عبور کرنے پر ٹیکس جیسی لمبی فیسوں سے لے کر مالیاتی بدتدبیری کی اصلاح کو محیط تھے۔[۲۰] جب کبھی اس نے اپنا شاہی دربار کچھ مدت کے لیے کسی اور مقام پر منتقل کیا تو اس کا پہلا حکم یہ ہوتا تھا کہ اس نئے شہر میں عارضی طور پر ایک عدالتی عمارت تعمیر کی جائے۔ اس نے اجمیر اور احمد آباد میں ایسی عدالتیں تعمیر کروائیں جہاں وہ ہر ہفتے دیوانی اور فوج داری مقدمات سنا کرتا تھا۔[۲۱]

۱۷ر جنوری ۱۶۱۵ء کو اپنے خط میں سر تھامس راؤ، جو جہانگیر کے دربار میں ۱۶۱۵ء سے ۱۶۱۹ء تک برطانوی بادشاہ جیمز اوّل کا سفیر رہا، وہ شاہی دربار میں اپنے ابتدائی دنوں کے مشاہدات کا خلاصہ بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "ان کے پاس کوئی تحریری قانون نہیں ہے۔ بادشاہ اپنے فرامین کے ذریعہ حکومت کرتا ہے اور اس کے صوبائی گورنر اس سے فرامین حاصل کرتے ہیں۔ ہفتے میں ایک بار صبر کے ساتھ عدالتی کارروائی میں گزارتا ہے اور خطرناک جرائم کی پاداش میں سزا دیتا ہے اور دیوانی مقدمات میں بھی وہی فیصلے صادر کرتا ہے۔[۲۲] اس نے قانون کے سامنے برابری کو بہت سنجیدگی سے نافذ کیا۔ گورنر پنجاب سعید خان چغتائی کے بارے میں یہ سن کر کہ اس نے علاقے میں کس قدر ظالمانہ ٹیکس لگا رکھے ہیں، اسے پیغام بھیجا کہ "میرا عدل کسی ظالم کو برداشت نہیں کرتا اور نہ کسی

18- Jahangir, *Tuzuk-i Jahangiri*, trans. and eds., A. Rogers and H. Beveridge (London), 1:7.

۱۹- نفس مصدر، ۷-۱۰۔

20- Ibn Hassan, *The Central Structure of Mughul Empire* (Oxford University Press, 1936), 312.

21- *The Embassy of Sir Thomas Roe to India from 1615-19*, ed., Willium Foster, Munshiram Manoharlal (Delhi, 1990), 89.

۲۲- جہانگیر، مصدرِ سابق، ۱: ۱۳۔

چھوٹے بڑے کا امتیاز گوارا کرتا ہے۔ اگر اس کے بعد مجھے کسی سے ظلم اور سختی کی اطلاع ملی تو تمھیں بلا لحاظ عہدہ سزا دی جائے گی"۔ (۲۳)

مغل بادشاہ جہانگیر کے سامنے اس کے بھتیجے خان عالم خوشنگ کا مقدمۂ قتل پیش ہوا۔ جب جرم ثابت ہو گیا تو بادشاہ نے کہا کہ خدا نے حرام قرار دیا ہے کہ میں ایسے معاملات میں شہزادوں اور ان سے کم درجہ امرا کا امتیاز کروں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ خدا کی رحمت میری اس معاملہ میں مدد کرے گی۔ (۲۴) ان کلمات کے ساتھ بادشاہ نے خوشنگ کو سزائے موت دے دی۔ (۲۵)

۳- عدلیہ بہ عہد اورنگ زیب

اورنگ زیب کے ماتحت عدالتیں انتہائی آزاد تھیں اور آزادی کی مثال جانی جاتی تھیں۔ (۲۶) یہاں تک کہ جب خود اورنگ زیب نے ایک مقدمے میں عدالت سے ملزم کو سزائے موت دینے کو کہا تو عدالت نے اس کی درخواست مسترد کر دی۔ (۲۷) عالمگیر انتہائی غیر جانب دار تھا۔ اس نے اپنے بھائی دارا شکوہ کے خلاف ارتداد کا مقدمہ چلانے کے لیے ممتاز فقہا کا پنچ قائم کیا۔ دارا شکوہ بھی ارتداد کا ارتکاب کرنے میں دوسرا اکبر تھا کیوں کہ وہ

۲۳- نفسِ مصدر، ج ۲، ص ۲۱۱، سر تھامس بیان کرتا ہے کہ جہانگیر عوامی ہجوم کی موجودگی میں سزاؤں کی تطبیقات کی نگرانی خود کرتا تھا۔ اس نے ایک قدیم امریکی محاورہ نقل کیا ہے۔ جس کا ترجمہ یوں ہے: بلاشبہ انھوں نے اپنی سزا کو درست ثابت کیا ہے، مگر کیا تمھیں بھی موجود ہونا چاہیے؟ ملاحظہ کیجیے:
The Embassy of Sir Thomas Roe to India from 1615-19, ed., Willium Foster, Munshiram Manoharlal, (Delhi, 1990), 87.

۲۴- دیکھیے:
The Embassy of Sir Thomas Roe to India from 1615-19, ed., Willium Foster, Munshiram Manoharlal, (Delhi, 1990), 196.

25- N. Manucci, *Storia do Mogor*, ed. & trans. W. Irvin, R. A. S. (London, n.d.) 2: 254.

موسکی وارا شخوہ کا خادم خاص تھا اور وہ اپنے مخالفین سے سخت نفرت کرتا تھا، وہ خود بھی ایک مقدمے میں ملزم تھا۔ نفسِ مصدر، ۳: ۱۲۸-۱۲۹۔

26- Ibid, 4:119.

27- Khawfi Khan, *Muntakhab-ul-Lubab*, trans. & ed., H. M. Elliot and John Dowson (Calcutta: Bibliotica Indica, , 1874, reprinted, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2006), 47-48.

زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ دارا نے ہندو فلسفے کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ وہ تجدد کا علم بردار اور روایت پسندی کا دشمن تھا۔ عالمگیر نے دنیا کو دکھانے کے لیے کہ وہ غیر جانب دار تھا اور وہ داراشکوہ کی طرف داری کرنے کی پاداش میں اپنے باپ کو جیل بھجوانے میں حق بہ جانب تھا، خصوصی ٹریبونل تشکیل دیا جس نے داراشکوہ کی مذہبی آرا کو ارتداد قرار دے دیا اور ستمبر ۱۶۵۹ء میں اُسے سزائے موت دے دی گئی۔[۲۸] عالمگیر نے مقدمے میں کوئی مداخلت نہ کی، اگرچہ یہ مقدمہ سیاسی نوعیت کا تھا۔ عالمگیر کو مشہور **فتاویٰ عالمگیری** کی تدوین کا حکم دینے کا اعزاز بھی حاصل ہے جو بعد میں **فتاویٰ ہندیہ** کے طور پر جانا گیا۔[۲۹] اسے شیخ نظام کی زیر نگرانی علما کے ایک شاہی کمیشن نے مرتب کیا تھا۔[۳۰] شرعی احکام کا یہ مجموعہ اورنگ زیب کا عظیم قانونی کارنامہ تھا۔ یہ کم و بیش اس وقت کے ہندوستان کا نافذ العمل

۲۸- **الفتاویٰ العالمگیریہ** (مصر: بولاق، ۱۳۱۰ھ)، ۶، نیز دیوبند، مکتبہ فیض القرآن، ۱۹۶۸ء علاوہ ازیں طبع مکرر (بیروت: دارالمعرفۃ للطبع والنشر، ۱۹۷۳ء) اس کے کچھ اجزا کا ترجمہ

N E Baillie's Digest of Moohummudan Law on the Subjects to which it is Usually Applied in British Courts of Justice in India, 2nd ed. Vol. 1, London, 1875.

میں شائع ہو چکا ہے جو ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جو ہندوستان کی برطانوی عدالتوں میں عموماً زیر سماعت آتے تھے۔ علاوہ ازیں **فتاویٰ عالمگیری** مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء جس میں زرعی ٹیکس سے متعلقہ قوانین کو خاص اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

۲۹- شیخ نظام لاہور کے معروف فقیہ تھے جنھیں چھ دیگر ماہرین فقہ کی مدد بھی حاصل تھی۔ تاہم ان میں سے صرف چار کے ناموں تک ہماری رسائی ہو سکی ہے جو یہ ہیں: محمد جمیل، ضیاء الدین، جلال الدین حسین اور محمد حسین ملاحظہ کیجیے: محمد بشیر احمد، **ازمنہ وسطیٰ کے ہندوستان میں نظام عدل** (علی گڑھ: ادارہ برائے تحقیق تاریخ، علی گڑھ یونی ورسٹی، ۱۹۴۱ء)، ۴۲ ومابعد۔

۳۰- **فتاوی عالمگیری** نے **فقہ فیروز شاہی**، کی جگہ لی تھی جو فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) میں ضابطہ دیوانی کے طور پر نافذ کی گئی تھی۔ یہ کتاب سلاطین دہلی کے ادوار میں بھی عدالتی نظام کا بنیادی ماخذ رہی یہاں تک **فتاویٰ عالمگیری** نے اس کی جگہ لے لی۔ نفس مرجع، ص ۴۱-۴۲،

I. H. Qureshi, *The Administration of the Sultanate of Delhi* (Karachi: Pakistan Historical Society, 1958), 267.

پر بتایا ہے کہ **فقہ فیروز شاہی** کو یعقوب مظفر کرمانی نے مرتب کیا تھا اور اس کا ایک مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں موجود ہے جس کا نمبر ۲۹۸۷ ہے۔

قانون تھا۔ اسے نہ صرف عالمگیر کے قاضیوں نے استعمال کیا بلکہ مغلیہ عہد کے دیگر بادشاہوں نے بھی اسے نافذ العمل رکھا۔[۳۱]

۴- اورنگ زیب کی قانونی اصلاحات

تمام مغل حکم رانوں میں سے اورنگ زیب نے قانونی اصلاحات کا ایک سلسلہ متعارف کروایا جن میں سے کچھ پر آج بھی پاک وہند میں عمل ہو رہا ہے۔

۱- اس نے عدالت سے مجرم کا ریمانڈ لے کر اسے تفتیش کے لیے پولیس کے حوالے کرنے کا نظام / طریقہ متعارف کرایا۔[۳۲] کوتوالوں کو حکم دیا گیا کہ وہ تفتیش کے لیے کسی شخص / ملزم کو تحویل میں رکھنے کے لیے قاضی سے تحریری حکم نامہ حاصل کریں۔

۲- اس نے مقدمات کے تصفیوں میں تاخیر کا نوٹس لیا اور یہ ہدایات جاری کیں کہ تمام فوج داری مقدمات بلا تاخیر چلائے جائیں۔ اگر سماعت کے پہلے دن مقدمہ قاضی کے سامنے پیش نہ ہوا تو اگلے روز سے کوتوال کی یہ ذمے دار ہوگی کہ وہ قیدیوں کو ان کے مقدمات کے فیصلے تک ہر روز عدالت میں پیش کرے۔ (ہر روز آنجا بہ فریسند کہ معاملہ را بہ استعجال فیصل نماید)۔[۳۳]

۳- اس نے یہ فرمان جاری کیا کہ کسی کو اس وقت تک تحویل میں نہ لیا جائے جب تک اس کے خلاف قابل اعتبار قانونی شہادت موجود نہ ہو (ہیچ کس بہ حساب در قید نماند)۔[۳۴]

۴- اورنگ زیب نے انتظامی اور عدالتی معاملات میں شفافیت کا تقاضا کیا اور حتیٰ کہ ریاستی حسابات رکھنے والوں کو یہ ہدایت دی کہ وہ عوام کو ان کا جائزہ لینے کی اجازت دیں۔

31- Ali Muhammad Khan, Mirat-i-Ahmadi, *A Persian History of Gujrat* (Baroda, Oriental Institute, 1965), 278-282.

32- Ibid, 282-283.

۳۳- یہ واضح نہیں کہ یہ محض اتفاق تھا یا کچھ اور کہ جب اورنگ زیب ۱۶۷۹ء میں ہندوستان میں یہ ضابطے جاری کر رہا تھا عین اسی وقت برطانوی پارلیمنٹ Habeas Coupus Act انگلستان کے لیے جاری کر رہی تھی۔

۳۴- احمد "عدل"، ۱۶۳- ۱۶۴، ۱۹۱، ۲۱۸ وہ ہر روز ایک روپیہ فیس وصول کیا کرتے تھے۔ دیکھیے: علی محمد خان، *Mirat* (ضمیمہ)، ۱۴۹۔

۵- اورنگ زیب کے عہد میں پہلی بار وکلا (قانون دانوں) کا تقرر کیا گیا تاکہ وہ ہر ضلع میں ریاست کے خلاف مقدمات کا دفاع کریں۔ یہ سرکاری وکیل، وکیلِ شرع کے طور پر معروف تھے۔[۳۵] ان وکلا کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ غریبوں کو مفت قانونی مشورے دیں۔ ان کا تقرر صوبائی چیف قاضی کرتا تھا یا بعض اوقات قاضی القضاۃ بھی انھیں مقرر کرتا تھا۔

۶- اورنگ زیب نے ہر موضوع پر تحریروں اور فرامین کی ضابطہ بندی کی اور ان کی سختی سے پابندی کروائی۔ اس کا یہ کارنامہ **فتاویٰ عالمگیری** سے مستزاد تھا۔

آخر میں اس نے اپیل کے نظام کی اصلاح کی۔ اس نے حکم جاری کیا کہ اس کے پاس مقدمات لانے سے پہلے ان تنازعات کے فیصلے مقامی قاضیوں سے کروائے جائیں۔[۳۶] اورنگ زیب نے محضر ناموں یا اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے تحریری مجموعے تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ ان کو قاضیوں اور مفتیوں میں تقسیم کیا جاسکے۔[۳۷] بدقسمتی سے ان مقدمات کا مطبوعہ ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔ مفصل مقدمات اور فیصلوں کا واحد مخطوطہ '**باقیات صالحات**' ہے جو ۱۵۵۰ء سے ۱۸۵۰ء تک کے عرصے میں صادر کیے گئے پچاس فیصلوں پر مشتمل ہے۔[۳۸] کچھ مصنّفین نے بیان کیا ہے کہ مغل عہد کے قاضی بدعنوان تھے۔[۳۹] تاہم ان کے الزامات پر یقین کرنا مشکل ہے اور مانوشی کو تو آپ نظر انداز ہی کردیں، یہ ایک متعصب یورپی تھا جس نے اپنا عینی مشاہدہ بیان کیا ہے جب کہ خافی خان نے مغلیہ دور کے نظام قضا کی غیر جانب داری کی بہت تعریف کی ہے۔[۴۰]

۳۵- مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بشیر، **انتظامیہ**، ۲۶۸-۲۶۶۔

۳۶- نفس مرجع، ۱۸۸۔

۳۷- عدالتی فیصلے فارسی میں لکھے ہوئے ہیں اور ان پر مہر عدالت ثبت ہے، نفس مرجع، ۳۷۔

38- M. P. Jain, *Outlines of Indian Legal History* (Bombay: Tripathi, 1966), 46; Sarkar Jadunath, *Mughal Administration* (Calcutta: Orient Longman, 1972), 75.

۳۹- خوفی خان، **منتخب التواریخ**، ۲: ۲۱۶- ۵۰۰۔

۴۰- یہ سیاست شرعیہ کے نام سے معروف ہے۔ فقہا کرام نے اسلامی نظام عدل میں وسعت پیدا کرتے ہوئے حدود کے علاوہ دیگر شرعی تعزیرات کا اختیار حکمران کو دیا ہے تاکہ وہ مسلم معاشرے کی ضروریات کے مطابق اس میں وقت کے ساتھ تبدیلیاں کرسکے۔

Imran A. Nyazee, *Theories of Islamic Law* (Islamabad: IIIT & IRI, 1995, 2nd reprint 2005), 111-2.

۱.۴- عدالتی ڈھانچہ اور عملہ

عدالتی ڈھانچے اور عملے کی تفصیل دینے سے پہلے مغلوں کی مرکزی حکومت کو بیان کرنا ضروری ہے۔ بادشاہ تمام فوج اور بحریہ کا سپہ سالار تھا۔ اس کی ایک مجلس وزرا تھی، جن میں سے سب سے زیادہ با رسوخ وزیر، وزیر مطلق یا دستورِ معظم تھا۔ وہ آج کے جدید دور کے وزیر اعظم کی طرح تھا۔ دیگر وزرا اسی کی وساطت سے بادشاہ تک رسائی حاصل کرتے تھے۔

محصولات، مالیات اور زراعت کے محکمے دیوانِ اعلیٰ کے ماتحت تھے جو محصولات کے مقدمات کی حتمی عدالت اپیل تھی۔ فوجی انتظامیہ، تنخواہیں اور حسابات میر منشی کے تحت تھے جب کہ عدالتی انتظامیہ، جیلیں، کسٹم، بیت المال اور مساجد قاضی القضاۃ کے ماتحت تھے۔ دیگر قابل ذکر وزرا میں داروغۂ توپ خانہ (اسلحہ کا نگران اعلیٰ) داروغۂ ڈاک (پوسٹ ماسٹر جنرل)، میر ثمن (شاہی گھریلو سامانِ آسائش کا اعلیٰ نگہبان)، صدر الصدور مذہبی امور کے محکمے کا نگران تھا، اور محتسب ممالک محروسہ کا نیز وہ سرکاری مقدمات میں اعلیٰ سرکاری وکیل اور مخرب اخلاق مواد کو ضبط کرنے کا بااختیار اعلیٰ افسر تھا۔

الف: دیوانِ مظالم

مسلم سلطنت کی ابتدا سے مقدمات کی دیوانی، فوج داری اور سیاسی تقسیم کر دی گئی تھی۔ آخری نوع کے مقدمات کی سماعت خلیفہ خود کرتا تھا۔ پہلی دو اقسام کے مقدمات کے فیصلے قاضی کیا کرتے تھے۔ سیاسی اور انتظامی مقدمات سیکولر نوعیت کے ہوتے تھے۔ ان کے فیصلے فقہا کے مشورے سے ناظر المظالم کرتا تھا[۴۱] اور اس کے محکمے کو دیوان المظالم کہتے تھے۔[۴۲] اکبر اور اورنگ زیب دونوں نے ہفتے کا ایک دن ایسے مقدمات کی سماعت کے لیے

میں اس پر دل چسپ بحث کی ہے۔ بد قسمتی سے اس موضوع پر چند کتابیں ہی لکھی گئی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں: ابن تیمیہ، **السیاسة الشرعية** (بیروت: دارلکتب العربية،۱۳۸۶ھ)، ترجمہ:

Ibn Taymiyya, *Siyasa Al-Shar'iyya*, Dar al-Kutub Al-'Arabiya, Beirut, 1386 A. H., trans. Omar A. Farrukh, *Ibn Taimiya on Public and Private Law in Islam* (Beirut Khayats, 1966).

41- Sarkar Jadunath, *Mughal Administration*, (Calcutta: Orient Longman, 1972), 75.

۴۲- یہ روایت اکبر نے شروع کی تھی جبکہ اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت میں اسے ختم کر دیا تھا۔

مخصوص کر رکھا تھا۔ شاہی دارالسلطنت میں بادشاہ ہی سب سے اعلیٰ جج اور عدل کا سرچشمہ تھا۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب عموماً بدھ کو یہ خاص عدالت لگاتے تھے۔ اس روز بادشاہ سیدھا اس کھڑکی یا بالکونی میں آتا جہاں سے وہ روزانہ دیوانِ خاص (مخصوص حاضرین کے کمرہ) میں جانے سے پہلے عوام کو درشن کراتا تھا[۴۳] اور تختِ عدل پر بیٹھتا تھا۔ یہ دیوان خاص قاضیوں، مفتیوں (علما)، کوتوال یعنی شہری پولیس کے سربراہ، داروغۂ عدالت اور محتسب ایسے اعلیٰ عہدے داروں سے بھرا ہوتا تھا۔ درخواست دہندگان یکے بعد دیگرے بادشاہ کے روبرو پیش ہوتے اور اپنی شکایات بیان کرتے تھے۔ بادشاہ سوالات کر کے بڑی نفاست سے حقائق معلوم کرتا، مفتیوں کی رائے طلب کرتا اور اس کے مطابق فیصلہ سناتا۔ سرچشمۂ عدل کے طور پر وہ اہم دیوانی اور فوج داری مقدمات کی بھی سماعت تھا۔ وہ سلطنت میں آخری مسند انصاف پر براجمان ہوتا تھا۔[۴۴] علاوہ ازیں موت کی تمام سزاؤں کی توثیق بادشاہ سے حاصل کرنا لازم تھی۔ تمام یورپی سیاحوں نے اپنے تاثرات میں بیان کیا ہے کہ کس طرح مغل بادشاہ ایک خاص دن اپنی عدالت لگایا کرتے تھے۔[۴۵]

ب: چیف جسٹس / قاضی القضاۃ

دیوان المظالم کے بعد قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی عدالت تھی۔[۴۶] چیف جسٹس کا تقرر بادشاہ کرتا تھا۔ اسے دیوانی اور فوج داری مقدمات کی حتمی سماعت کا اختیار تھا۔ وہ اپیلوں کی سماعت کرتا تھا اور صوبائی

۴۳- اپیل کورٹ کی صدارت بادشاہ کرتا تھا جس میں **قاضی القضاۃ** کے علاوہ اس کی عدالت کے دیگر قاضی بھی شریک ہوتے تھے جو قانون اور تنازعات کے فیصلے کرتے تھے۔ دیکھیے: ایم کاظم، **عالمگیر نامہ**، ۱۰۹۷- ۱۱۰۲، اس عدالت کو ان معاونین کی خدمات حاصل تھیں، ایک دروغۂ عدالت، ایک مفتی، ایک میر عدل اور محتسب، دیکھیے: ایم کاظم، **عالمگیر نامہ**، (کلکتہ: ۱۸۶۴ء-۱۸۷۳ء) ۱۰۷۷، ۱۰۷۹، ۱۱۰۲۔

۴۴- دیکھیے: ولیم فنچ، **ہندوستان کے ابتدائی اسفار**، (۱۶۰۸ء-۱۱ء)، تدوین: ڈبلیو فوسٹر (آکسفورڈ: ۱۹۲۱ء، ۷۲-۷۳؛ ایف برنیئر، **مغل سلطنت میں اسفار** (۱۶۵۶ء-۱۶۶۸ء) (لندن: ۱۹۱۴ء)، ۲۶۳۔

۴۵- ابوالفضل **آئین**، بلوچمان، ۱: ۱۸۵؛ چیف جسٹس کی عدالت میں حلف میں نیز جمعہ کے خطبات اور دیگر اہم مواقع پر خطبات کے دوران بادشاہ کا نام لیا جاتا تھا تا کہ اس کے اقتدار کا اقرار کیا جائے۔ دیکھئے:
N. Manucci, *Storia do Mogor*, ed. & trans. W. Irvin, R. A. S. (London: n.d. vol. 2), 381.

نیز چیف جسٹس کے فرائض منصبی کی تفصیل کے لیے دیکھیے، بشیر، **انتظامیہ**، ۱۴۴۔

۴۶- قادری، **عدل**، ۱۲۰۔

عدالتوں کی کارکردگی کی نگرانی بھی کرتا تھا۔ اس کو ایک یا دو ممتاز قاضیوں کی معاونت بھی حاصل ہوتی تھی۔ قاضی القضاۃ کی عدالت کے نیچے شاہی دارالسلطنت کا اپنا قاضی ہوتا تھا جو صوبائی چیف قاضی کے برابر تھا۔(۴۷) سلطنت کی چھاؤنی کا اپنا قاضیِ عساکر ہوتا تھا جو فوج کے ہم راہ ایک مقام سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا تھا۔(۴۸) یوں دارالسلطنت میں ایک ماتحت عدالت ہوتی تھی جس کی صدارت قاضی کرتا تھا جب کہ ایک اپیل کورٹ ہوتی تھی جس کی صدارت قاضی القضاۃ کرتا تھا اور اس کے اوپر شاہی عدالت (دیوان المظالم) تھی۔(۴۹) مذکورہ بالا عدالتوں کو بہت سے افسروں کی معاونت حاصل تھی جنہیں داروغۂ عدالت کہا جاتا تھا۔ یہ ہر عدالت میں آنے والی درخواست وصول کیا کرتے تھے۔(۵۰) انھی افسرانِ عدالت میں مفتی حضرات بھی شامل تھے۔ اُن کا کام حسب طلب شرعی رائے دینا ہوتا تھا لیکن یہ فیصلہ دینے کے مجاز نہ تھے۔ قاضی القضاۃ کی عدالت سے وابستہ مفتی کو مفتیِ اعظم یا صدر جہاں کہا جاتا تھا۔(۵۱) دارالسلطنت میں محتسب کا محکمہ بھی تھا جو عموماً شرعی قوانین کے مقدمات کی پیروی کرتا تھا۔ میر عدل ایک انتظامی افسر ہوتا تھا جو عدالت کی معاونت کرتا تھا۔(۵۲) دارالسلطنت میں اہم منصب دیوانِ اعلیٰ کا تھا جو محصولات اور مالی مقدمات میں قطعی اختیار رکھتا تھا۔ ان معاملات میں صوبوں سے اپیلیں شاذ و نادر ہی اس کے پاس آتی تھیں۔

ج: صوبائی قاضی القضاۃ

ہر صوبے کا منتظم اعلیٰ گورنر یا صوبے دار ہوتا تھا۔(۵۳) متاخر مغلیہ عہد (۱۷۵۰ء-۱۸۵۷ء) کے صوبیداروں، خصوصاً بنگال کے صوبے دار نے انصاف کی فراہمی کو بہتر بنانے کے لیے اپنی عدالت کے لیے دو

۴۷- کاظم، **عالمگیر نامہ**، ۱۱۰۲، بعض اوقات افسر قاضی اردو کے طور پر کام کرتا تھا۔ اردو کا مطلب ہے لشکر۔

۴۸- وحید حسین، **مسلم عہد کے ہندوستان میں نظام عدل** (کلکتہ: ۱۹۳۴ء)، ۳۸ وما بعد۔

۴۹- اسے کبھی داروغۂ کچہری بھی کہا جاتا تھا۔ دیکھیے: احمد، **عدل**، ۱۴۷۔

۵۰- دیکھیے: ابوالفضل، **آئین**، بلوچمان، ۱: ۱۸۵۔

۵۱- تفصیل نیچے ملاحظہ کیجیے:

۵۲- بنگال اور گجرات میں اسے ناظم کہا جاتا تھا۔ دیکھیے: بلوچمان، ۱۹۲۷ء، ۱: ۳۷، وہ امن وامان کے قیام کا ذمہ دار اور صوبہ میں افواج کا سپہ سالار بھی تھا۔ وہ صوبہ میں محصولات کے مقدمات کی اپیل کورٹ بھی تھا۔ جب گورنر کسی مجبوری کے باعث صوبے سے باہر جاتا تو وہ اُسے اپنی عدم موجودگی کے دوران فرائض انجام دینے کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کرتا تھا۔

۵۳- یہ عہدہ ۱۸۲۰ء میں ختم کر دیا گیا۔

افسروں کا تقرر کیا، جب کہ ہر گورنر اپنے عدالتی امور کی انجام دہی کے لیے ایک افسر کا تقرر کرتا تھا جسے دروغۂ عدالت عالیہ کہا جاتا تھا۔(۵۴) صوبائی محکمہ قضا، صوبائی قاضی القضاۃ کے ماتحت کام کرتا تھا جسے قاضی صوبہ کہا جاتا تھا۔ اس کا تقرر بادشاہ خود کرتا تھا۔ یہ دیوانی اور فوج داری تمام مقدمات کی سماعت کا اختیار رکھتا تھا اور ضلعی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کا مجاز تھا۔(۵۵) قاضی صوبہ کی عدالت سے وابستہ افسران میں مفتی، محتسب، دروغۂ عدالت، میر عدل، پنڈت،(۵۶) سوانح نگار اور وقائع نویس شامل تھے۔ قاضی صوبہ کی عدالت کے علاوہ ایک دیوانِ صوبہ کا محکمہ بھی ہوتا تھا جو محصولات اور مالی مقدمات کی سماعت کا مجاز تھا۔(۵۷) دیوان صوبہ کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں گورنر کے پاس جاتی تھی لیکن بعض اوقات یہ دارالسلطنت کے دیوان عدل کو بھی بھجوائی جاتی تھیں۔

ط: ضلعی قاضی

قاضیِ صوبہ کے تحت ہر سرکار (یعنی ضلع) میں ایک قاضی ہوتا تھا۔ یہ تمام دیوانی اور فوج داری مقدمات کا اختیارِ سماعت رکھتا تھا۔ نیز اپنے ضلع کے اندر واقع دیگر مقامات کے قاضیوں اور عدالتی شعبوں کے

۵۴- گورنر کی عدالت کے بیچ پر اس کی مستقل نشست تھی اور وہ نئے گورنر سے حلف بھی لیتا تھا۔

۵۵- ''دار العوام کی کمیٹی کی رپورٹ ۱۷۷۲ء- ۱۷۷۳ء''، ۴: ۳۲۶۔

۵۶- اس کی عدالت سے یہ افراد وابستہ تھے: ۱-پیش کار (سیکرٹری)، ۲-دروغہ یا سپرٹینڈنٹ، ۳-مشرف یا خزانچی، ۴-تحویل دار یا کیشئر، دفتری ملازموں میں منشی، حضور کلرک، صوبہ کلرک، شاہی زمینوں کے کلرک اور دیگر متفرق امور کی انجام دہی کے ذمہ دار کلرک، ریکارڈر کھنے والے ملازمین، حسابات کے ذمہ دار افراد اور ستارہ شناس۔

۵۷- اس کے اور بھی کئی فرائض تھے۔ وہ جرائم کی تفتیش کرتا تھا اور جیلوں کے دورے کرتا تھا، قیدیوں کے معاملات کا جائزہ لیتا تھا، زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرتا تھا۔ اورنگ زیب نے اسے مساجد کے نظام کا بھی نگران بنا دیا تھا۔ مزید برآں وہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی امامت کرتا تھا۔ اہم شخصیات کے جنازے بھی پڑھاتا تھا۔ وہ مسلمانوں کی شادیوں کے معاملات کی بھی نگرانی کرتا تھا۔ اس کا عملہ ان افراد پر مشتمل تھا: پیش کار (آج کل اسے ریڈر کہتے ہیں) ایک کاتب جو شہادتیں قلمبند کرتا تھا اور ایک صاحب المجالس ہوتا تھا جو گواہان کی شہادتیں قلمبند کرتا اور انھیں محفوظ کرتا تھا۔ ایک ناظر ہوتا تھا جو عدالت کی عمارت اور اس سے وابستہ غیر ہنر مند افراد کا نگران تھا۔ مچلکہ نویس کی ذمہ داری فریقین یا گواہان کی عدالت میں حاضری کو یقینی بنانے کے لیے ضمانتیں لینا ہوتا تھا۔ ان میں سے کچھ عہدے آج بھی پاک وہند میں موجود ہیں۔

افسروں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کا بھی مجاز تھا۔[۵۸] قاضی ضلع کی عدالت کے ماتحت افسروں میں داروغۂ عدالت، میر عدل، مفتی، پنڈت یا شاستری، محتسب[۵۹] اور وکیلِ سرکار شامل تھے۔[۶۰]

ھ: انتظامی افسران برائے عدالتی امور

مغلیہ دور میں کچھ مزید افسران بھی ریاستی امور سرانجام دیتے تھے مگر وہ عدالتی نظام کا بہ راہِ راست حصہ نہ تھے۔ ان میں ایک صدر کا منصب دار تھا جو ضلعی محکمۂ مذہبی امور کا نگران ہوتا تھا جسے صدر الصدور مقرر کرتا تھا۔ اس کے فرائض منصبی میں قاضیوں، محتسبوں، خطیبوں، اماموں، موذنوں اور متولیوں کی اسناد کی جانچ پڑتال کرنا شامل تھا۔ اس کے علاوہ یہ شہر اور قصبوں میں متعین سرکاری ملازمین اور علما کو روزینے کے پروانے جاری کرتا تھا اور خیراتی اوقاف کو ادائگیوں کے بل منظور کرتا تھا۔ اس کے عدالتی عمل داری، مدد معاش کے مطالبات زر سے متعلقہ معاملات تک محدود تھی یا وہ ضلعی قاضی کے ساتھ وضعی قوانین کے مطابق فیصلے کرنے کے لیے بیٹھتا تھا۔ وہاں ایک فوج داری بھی ہوتا تھا جس کا عدالتی اختیار فوجی جرائم کے مقدمات کے فیصلے کرنا تھا۔ بعد میں اس کے اختیارات بڑھا دیے گئے تھے۔ ایک افسر کوتوال تھا جو ضلعی قاضی کا ماتحت تھا اور اس کے دائرہ اختیار سماعت میں معمولی جرائم تھے۔ ایک اور افسر عمل دار کہلاتا تھا جو کرائے اور محصولات کے مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ اس کی عدالت کے ساتھ داروغۂ کچہری وابستہ تھا۔ وقائع نگار یا وقائع نویس یا اخبار نویس مذکورہ بالا عدالتوں کی کارروائیاں روزانہ کی بنیاد پر لکھ کر بادشاہ کو بھجواتے تھے۔ ان رپورٹوں کی چھان پھٹک قاضی القضاۃ یا قاضی صوبہ کیا کرتا تھا۔

۵۸- اخلاقی قوانین کے نفاذ کے لیے افراد کا تقرر اورنگ زیب کے حکم سے ہوتا تھا۔ ان کے شعبہ کا اعلیٰ عہدیدار صدر کہلاتا تھا۔ فوجداری عدالتوں میں مقدمات پیش کرنے کے ذمہ دار محتسب حضرات اور پولیس تھی۔

۵۹- اورنگ زیب کے عہد حکومت میں ریاست کے خلاف مقدمات کا دفاع حکومت کی طرف سے ہر ضلع میں ہمہ وقتی مقرر کیے گئے وکلا کرتے تھے جنھیں وکیل سرکار یا وکیل شرع کہا جاتا تھا۔ وہ ضلع قاضی کی عدالت سے وابستہ ہوتے تھے اور ہر روز ایک روپیہ اجرت پاتے تھے۔ دیکھیے: علی محمد خان، *Mirat* **(ضمیمہ)**، ۴۹، وہ غریبوں کو مفت قانونی مشورے دیتے تھے، ریاست کی طرف سے مقدمات کی پیروی کرتے تھے اور ریاست کے فیصلوں پر عمل درآمد کرواتے تھے۔ سر تھامس نے اپنے سفارتی خطوط میں ان سرکاری وکلا کا ذکر کیا تھا مگر اس سے ان کے قانونی مشیر ہونے کا تاثر ملتا ہے، سرکاری وکیل ہونے کا نہیں۔ دیکھیے: *The Embassy*, 261

۶۰- علی محمد خان، *Mirat*، تدوین: نواب علی، ۱: ۳۴۲، مابعد مصنف کا اصل نام مرزا محمد حسن تھا مگر وہ علی محمد خان بہادر کے نام سے معروف تھا۔ وہ کچھ عرصہ تک گجرات کا دیوان بھی رہا تھا۔

و: قاضی پرجانہ

وہ فرغنہ (قصبہ) کا اعلیٰ افسر تھا۔ اس کا دائرہ اختیار بہ شمول دیہات قصبہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے اختیارات قاضیِ ضلع کے مساوی تھے۔ تاہم وہ اپیلوں کی سماعت نہ کر سکتا تھا کیوں کہ اس کے ماتحت کوئی عدالت نہ تھی۔ متعدد افسران اس کی عدالت سے وابستہ تھے۔ ان میں مفتی، محتسب فرغنہ، ایک داروغۂ عدالت جہاں ضروری ہوتا تھا، اور ایک وکیل شرع (جس کے پاس تین کلرک اور ایک اکاؤنٹنٹ ہوتے تھے)۔ بعض فرغنوں میں ایک فوج دار فرغنہ ہوتا تھا جو ضلعی فوج دار جیسے اختیارات بہ روے عمل لاتا تھا۔ چند اضلاع میں امین یا افسران محصولات ہوتے تھے جب کہ بعض مقامات پر مطلقاً کوئی فوج دار نہیں ہوتا تھا اور ان کی ذمہ داریاں شق دار یا کوتوال ادا کرتے تھے۔[61] فرغنوں میں وضعی قانون کے مقدمات چلانے کے لیے مقامی زمین دار مقرر تھے۔ ان کی عدالتوں سے اپیلیں ضلع قاضی کی عدالت میں جاتی تھیں۔ امین فرغنہ، فرغنہ میں محصولات کے مقدموں کی فیصلے کیا کرتے تھے۔

ز: پنچایت

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے بہت پہلے سے ہندوستان کی دیہی آبادی کے چھوٹے دیوانی اور بہت سے فوج داری مقدمات نمٹانے کے لیے یہاں ایک بہت اچھا نظام رائج تھا۔ ابتدائی سلاطین نے وہ نظام بر قرار رکھا۔ ایک گاؤں میں بزرگوں کی ایک کونسل ہوتی تھی جو پنچایت کہلاتی تھی۔ یہ پنچایتیں بڑی فعال تھیں۔ سزاؤں نے عوامی تذلیل، جرمانوں اور علاقے سے بے دخلی (جلاوطنی) کی شکلیں اختیار کرلی تھیں۔ خاص طور سے آخری سزا کے ذات پات پر مبنی، معاشرے میں گہرے سماجی اور اقتصادی نتائج مرتب ہوتے تھے۔ اس کے نتیجے میں پنچایت کے احکام یکساں طور پر تسلیم کیے جاتے تھے۔ خطرناک فوج داری مقدمات قاضی کے دائرہ سماعت میں آتے تھے۔

اس کا بنیادی کام تنازعات کا تصفیہ تھا۔ ازدواجی، برادری کے اختلافات، زمین، کھیتوں کو پانی دینے اور پیداوار کی تقسیم کے جھگڑوں کو پنچایت طے کیا کرتی تھی۔[62] مسلم حکم رانوں کی غیر مسلم رعایا کے باہمی قانونی

61- N E Baillie's *Digest of Moohummudan Law on the Subjects to which it is Usually Applied in British Courts of Justice in India*, 2nd ed. Vol. 1, (London, 1875), 174.

62- Husaini, *Administration*, 196.

رشتے ان کے اپنے عقائد کے اصولوں(۶۳) کے مطابق استوار کیے گئے تھے۔ ایک مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان تنازعات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ دیا جاتا تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ جب دو ہندوؤں کے درمیان مقدمہ ہوتا تو اسے پنڈتوں کو فیصلے کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔(۶۴) وہ عوام میں پنچایت بٹھاتے اور گاؤں میں دیوانی اور معمولی نوعیت کے جرائم کے فیصلے کرتے تھے۔ پنچایت کے فیصلے لازم ہوتے اور ان کے خلاف اپیل کی اجازت نہ تھی۔ فیصلے عموماً نافذ ہوتے تھے۔ بڑا آدمی یا چودھری عموماً پنچایت کا سربراہ ہوتا تھا اور عام طور پر گاؤں میں امن و امان قائم کرتا تھا۔(۶۵) متاخر مغلوں کے ادوار میں تحصیلوں میں ماتحت عدالتیں قائم کی گئیں جن کے سربراہ نائب قاضی تھے۔(۶۶) جین کا موقف ہے کہ مغلوں کا عدالتی نظام سادہ اور لوگوں کی ضروریات کو پورا کرتا تھا۔(۶۷) تمام اہم مقدمات کی منظوری بادشاہ سے حاصل کرنا ضروری تھی جب کہ اہم دیوانی مقدمات بھی اس کے سامنے پیش کیے جاتے تھے۔ قاضی فوج داری مقدمات میں اعلیٰ جج تھا اور انھیں اسلامی قانون کے مطابق چلاتا تھا۔ مسلمانوں کے باہمی مقدمات کو علاوہ جن مقدمات میں ایک فریق مسلمان ہوتا، ان کے فیصلے بھی وہی کرتا تھا۔ ہر سرکار میں قاضی کو اپنے معاونین یا اہم مراکز میں نائب قاضی مقرر کرنے کا اختیار تھا۔ ہر سرکار میں کوتوال متعدد ذمہ داریاں نبھاتا تھا۔ وہ پولیس کے سربراہ اور بلدیہ افسر کے طور پر کام کرتا تھا۔ سیکولر طرز کے فوج داری مقدمات اس کے پاس جاتے تھے۔ مفتی ایک تعلیم یافتہ ماہر الٰہیات ہوتا تھا۔ وہ مقدمات سے متعلقہ اسلامی قانون کی کتابیں ملاحظہ کرتا اور قاضیوں کو مشورے دیتا تھا جو سزائیں یا فیصلے سناتے تھے۔ یہی دکھائی دیتا ہے کہ ہر قاضی فیصلہ دینے سے پہلے

63- Hamilton, *Hidayah*, (Introduction), ed, Hamilton and Grady, 14.

ہملٹن "**ہدایہ**" (تعارف)، تدوین: ہملٹن او گریڈی، ص ۱۴، ہندوؤں کے باہمی مقدمات کے علاوہ ایسے مقدمات جن میں ایک فریق مسلمان اور دوسرا ہندو یا کوئی اور غیر مسلم تھا، نیز دیکھیے: سری رام شرما، **مغل حکومت اور انتظامیہ** (بمبئی: ۱۹۵۱ء)، ص ۲۱۰۔

۶۴- گاؤں کے سربراہ کا لقب ملک کے ہر علاقے میں دوسرے سے مختلف تھا۔ ملک کے مشرق میں چودھری کو مقدم، مغرب میں پٹیل اور جنوب میں چٹی کہتے تھے۔

65- Husaini, *Administration*, 70.

66- M. P. Jain, *Outlines of Indian Legal History* (Bombay: Tripathi, 1966), 45.

۶۷- مرجع سابق، ۲۰۳۔

مفتی کی رائے لیتا تھا۔ تاہم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا موقف ہے کہ جو قاضی کچھ قانونی نکات کے بارے میں واضح نہ ہوتے تھے، وہی مقدمے کو مفتی کے پاس بھیج کر اس کا فتویٰ حاصل کرتے تھے۔ (۶۸)

ح- میر عدل

ایک محکمہ، عدالت کی انتظامی ذمے داریاں ادا کرنے کے لیے تھا۔ مغل اس کے ذمے دار افسر کو میر عدل کہتے تھے۔ اکبر کے سیکرٹری نے **آئین اکبری** میں قاضی اور میر عدل کے درمیان تعلق کو ایک فقرے میں سمو دیا کہ "ایک حقائق معلوم کرتا ہے، دوسرا ان کو موئثر بناتا ہے۔" (۶۹) میر عدل ناانصافی کی طرف قاضی کی توجہ دلاتا اور ایک اعلیٰ عدالت کے روبرو زیر التوا مقدمے کے فیصلے میں تاخیر سے آگاہ کرتا تھا۔ مزید برآں وہ قاضی کی عدالت میں فریقین اور گواہان کی حاضری کو یقینی بناتا تھا اور یہ کہ عدالت کے فیصلوں پر عمل کرایا جائے۔ (۷۰)

ط- قاضی عسکر

مغلوں کے تحت فوج کے لیے ایک الگ سے قاضی تھا جو قاضی عسکر کے طور پر معروف تھا۔ اس کا اختیار سماعت فوجی کیمپوں تک محدود تھا۔ ایک ایسے مقدمے کی سماعت، جس میں ایک فریق قاضی عسکر کے دائرہ سماعت میں رہائش پذیر ہو اور دوسرا فریق شہر کے قاضی کے دائرہ سماعت میں، اگر پہلا اصرار کرتا ہو کہ شہر کی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے تو اس صورتِ حال میں قاضی عسکر کو خصوصی اختیار نہ تھا۔ (۷۱) تاہم اگر فریقین فوج سے تعلق رکھتے ہوں اور چاہیں کہ قاضی شہر کے پاس مقدمہ جائے تو وہ ایسا کر سکتے تھے اور قاضی شہر کو اس کی سماعت کا اختیار تھا۔ (۷۲) جو بات اس سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قانون کے مندرجات اور اس کی تطبیق میں کچھ فرق نہ تھا۔ قاضی شہر، اسی طرح فوجی کیمپ کا قاضی ایک ہی قانون کا اطلاق کرتے تھے۔ ان میں ایسے دیوانی مقدمات بھی

68- I. H. Qureshi, *The Administration of The Mughal Empire* (New Delhi: Atlantic Publishers, 1990), 190-191.

69- Ibid, 191.

70- Husaini, *Administration*, 203.

71- Ibn Hassan, *The Central Structure of Mughul Empire* (Oxford University Press, 1936), 312.

۷۲- الماوردی، **الأحكام السلطانية**، ۲۴۳،۲۴۴۔

ہو سکتے تھے جن میں دو افراد ملوث ہوں۔ ایسا کوئی مقدمہ نہ تھا جس میں فوج کے نظم وضبط یا فوج کے ضابطے کی خلاف ورزی کا معاملہ ہو۔

۵- محتسب

مغل سلطنت کے انتہائی اہم اداروں میں سے ایک "حسبہ" کا ادارہ تھا جس میں محتسب مقرر تھے۔ جن مسلم حکم رانوں نے سلطنت دہلی پر حکومت کی، ان سب کے ادوار میں یہاں یہ محکمہ موجود رہا۔ ماوردی نے محتسب کے متعدد فرائض بیان کیے ہیں۔[۷۳] محتسب اسلامی اخلاق اور رویوں کے تحفظ کا اصولی طور پر ذمے دار تھا۔ قاضی اور محتسب کے فرائض جدا جدا تھے۔ قاضی اپنے سامنے پیش ہونے والے مقدمات کا تصفیہ کرتا تھا، جب کہ محتسب کا دائرہ اختیار اوزان وپیمائش، جعل سازی تجارت اور قرضوں میں دھوکہ دہی کے معاملات کو عدالتوں میں جانے سے پہلے ختم کرنے تک پھیلا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے فرائض میں عوامی ضرر کو روکنا، رکاوٹوں کو ہٹانا اور عوامی راستوں اور سڑکوں سے تجاوزات کو ختم کرنا شامل تھا۔ **آئین اکبری** محتسب کے ادارے کا ذکر نہیں کرتا، لیکن اس کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ یہ ختم ہو چکا تھا۔ تاہم یہ بات اہم ہے کہ محتسب کے کچھ اضافی فرائض بعض اوقات کوتوال کو منتقل کر دیے جاتے تھے۔[۷۴] تمام شہروں اور قصبات میں محتسب موجود تھے، تمام محتسب صدر الصدور کے ماتحت تھے اور اسی کے مقرر کردہ تھے۔[۷۵]

۶- اپیلیں

متعدد مصادر کو کھنگالنے کے باوجود بھی اپیل کے آج جیسے جامع قوانین تک رسائی آسان نہیں۔ اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ چھوٹی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل اعلیٰ عدالت میں جاتی تھی اور اس کے فیصلے کے خلاف اپیل اعلیٰ ترین عدالت میں، اپیل کی آخری عدالت بادشاہ خود تھا۔ قاضی کے فیصلے کے خلاف اپیل صوبائی قاضی القضاۃ کو جاتی تھی اور وہاں سے سلطنت کے قاضی القضاۃ کی عدالت کو۔ اپیل کا یہ نظام تمام دیوانی اور شرعی نوعیت کے فوج داری مقدمات کے لیے تھا۔

73- I. H. Qureshi, *The Administration of The Mughal Empire*, (New Delhi: Atlantic Publishers, 1990), 206.

۷۴- علی محمد خان، *Mirat*، ۲۵۰۔

75- Sarkar Jadunath, *Mughal Administration* (Calcutta: Orient Longman, 1972), 177.

مرآۃ احمدی یا گجرات کی تاریخ مرتبہ علی محمد خان ۱۷۶۱ء میں مکمل ہوئی تھی۔ یہ ایک شان دار کتاب ہے، حتیٰ کہ مغلوں کا سخت نقاد سر جو دانا تھ سرکار اسے بڑی مستند کتاب کہتا ہے۔(۷۶) اسے قانونی اور انتظامی ضابطوں کا انتہائی مستند تذکرہ شمار کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ ریاستی دستاویزات پر مبنی ہے۔ یہ شاہی فرامین کی مکمل نقول دیتی ہے جو صوبائی حکام کے نام تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر کا گجرات کے دیوان کو ۱۶ جون ۱۶۷۲ء کو بھیجا گیا ایک فرمان اس دور کی تعزیرات کو خوب تفصیل سے پیش کرتا ہے۔(۷۷) یہاں پر سارا فرمان نہیں دیا جاسکتا لیکن کچھ سرکاری حکام، ان کے دائرہ ہائے سماعت اور نظام مرافعت (اپیل) ذیل میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ گجرات کے عدالتی نظام کو سمجھا جاسکے یہ نظام واضح کرتا ہے کہ تمام خطرناک جرائم مثلاً چوری، راہ زنی اور قتل کے فیصلے قاضی کرتا تھا۔ مزید برآں ایسے جرائم کے مقدمے میں جن کی سزا اسلامی قانون میں مقرر نہیں، اس میں عدالت کو تعزیری سزا دینے کا صواب دیدی اختیار تھا۔ اگر قاضی کی جانب سے سزاے موت دی گئی ہوتی تو مجرم کو جیل بھیج دیا جاتا تھا جب کہ توثیق کے لیے مقدمے کی بادشاہ کو رپورٹ کی جاتی تھی۔ محصولات کے مقدمات، محصولات کے افسران نمٹاتے تھے۔ جب کوئی شخص پولیس یا محصولات جمع کرنے والا یا کسی شخصی شکایت پر گرفتار کر کے چبوترۂ کوتوال پر لایا جاتا تو کوتوال اس کے جرم کی ذاتی طور پر تفتیش کرتا تھا۔ اگر اس کے خلاف کوئی مقدمہ ہوتا تو اسے عدالت کو اطلاع کرنا ہوتی تھی۔ اگر اس کے خلاف محکمہ مال کا مقدمہ ہوتا تو اس کی اطلاع گورنر (صوبہ دار) کو کرنا ہوتی تھی۔

مذکورہ بالا فرمان میں لفظ صوبے دار اور گورنر مترادف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ جن مقدمات (جرائم) کی اسلامی قانون میں سزا مقرر نہیں اور قاضی کو اپنے صواب دیدی اختیار بہ روے کار لانے ہوتے تھے، وہاں قاضی کے لیے مجرم قرار دینے اور سزا دینے کے لیے صوبہ دار کی رائے بڑی اہم ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ صوبے دار محصولات کے مقدمات ذاتی طور پر نمٹاتا تھا۔(۷۸)

۷۶- مرجع سابق، ۲۸۳-۲۷۸

۷۷- ابتدا میں صوبے کے گورنر کو سپہ سالار کہتے تھے۔ بعد میں اس کے لیے صوبیدار اور ناظم صوبہ کی اصطلاحات عام ہو گئیں۔ ایضاً، ۱۴۹۔

۷۸- کاظم، **عالمگیرنامہ**، ۱۰۷۹-۱۱۰۲۔

نتیجۂ بحث

مغل نظام عدل کے بارے میں اس گفتگو کو سمیٹتے ہوئے انتظامیہ اور عدلیہ کے تعلقات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ مزید بر آں مغلوں کی حکومت کے خاتمے کے اسباب اور بنیادی وجوہ یہاں بہت متعلقہ ہیں۔ ایک امر واقعہ کے طور پر مغل حاکمیت کا وسیع ڈھانچہ، جو اورنگ زیب کا وضع کردہ تھا، ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ کی وفات تک قائم رہا۔ اس کے بعد ریاست کا مرکزی اختیار کم زور ہو گیا، حتیٰ کہ سلطنت کے دورِ عروج میں بھی انتظامی مشینری ایک بادشاہ سے دوسرے بادشاہ کے دور میں قدرے تبدیل ہوتی رہی۔

مغلوں کے تحت عدلیہ اور انتظامیہ الگ الگ کام کرتی رہیں، البتہ بادشاہ اور اس کے صوبائی گورنر انھیں ایک ساتھ چلاتے رہے، تاہم جب بادشاہ یا گورنر مقدمات کی سماعت کرتا تو اس کی عدالت میں کارروائیاں خالص عدالتی طرز پر ہوتی تھیں۔ جب بادشاہ اپیلوں کی سماعت کرتا تو وہ چیف جسٹس اور اس کی عدالت کے قاضیوں پر مشتمل بنچ کی صدارت کرتا تھا۔[۷۹] ایک اعلیٰ درجے کی عدالت کے طور پر اسے داروغۂ عدالت، ایک مفتی اور میر عدل کی معاونت حاصل ہوتی تھی۔[۸۰] اسی طرح قاضیِ صوبہ گورنر کی عدالت کا رکن ہوتا تھا اور گورنر کا ہر عدالتی فیصلہ مفتی کی بیان کردہ شرعی رائے (فتویٰ) کی اساس پر ہوتا تھا۔ دوسری طرف عدلیہ اور انتظامیہ کے تعلقات اورنگ زیب کے عہد میں مخلصانہ تھے، یوں عدالت کے فیصلوں کی پابندی کی جاتی تھی اور قاضیوں کی بڑی توقیر تھی۔ اورنگ زیب نے یہ دستور العمل بنا کر رکھا تھا کہ ایک اعلیٰ مرتبے کے فرد کے خلاف ایک غریب شہری کی شکایت کو اعتبار حاصل ہو گا۔[۸۱] بعض ہندو مصنّفین اورنگ زیب کے قاضیوں پر بدعنوانی کا الزام عائد کرتے ہیں۔[۸۲] لیکن وہ متعصب دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ اس امر کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے کہ بادشاہ کی جانب سے کسی قاضی کو اس کے برے فیصلہ کی بنا پر برطرف کیا گیا ہو۔ ہر چند کہ اورنگ زیب نے اپنی وفات پر ایک مکمل طور پر محکم سلطنت چھوڑی تھی۔ تاہم محمد شاہ کے عہد حکومت (۱۷۱۹ء-۱۷۴۸ء) میں اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس کے

۷۹- نفس مرجع، ۱۰۷۷۔

۸۰- نفس مرجع، ۱۰۷۷۔

81- Muhammad Basheer Ahmad, *The Administration of Justice in Medieval India*, (Aligirh University: The Aligarh Historical Research Institute, 1941), 267-277.

82- M. P. Jain, *Outlines of Indian Legal History* (Bombay: Tripathi, 1966), 46; Sarkar, *Mughal Administration*, 75.

بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک سنگین سازش کی رپورٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے شراب کے کپے کی نذر کر دیا اور دو روز تک اس کے نشے میں دھت رہا۔ ۱۷۴۸ء میں شاہ محمد کی وفات پر لا قانونیت عام ہوگئی۔ ۱۷۵۲ء کے بعد آنے والے پانچ بادشاہ کٹھ پتلی تھے جو اورنگزیب زیب کی چھوڑی ہوئی وسیع سلطنت کے تحفظ کے لیے درکار ناگزیر گرفت برقرار رکھنے کے لیے اہلیت سے محروم تھے۔ اس کے نتیجے میں مغل سلطنت کا زوال شروع ہوگیا اور بادشاہ عوام کے حقوق کا تحفظ کرنے میں ناکام ہوگئے کیوں کہ ان کے ماتحت افراد نے عدالتی فیصلوں کے خلاف بہت قوت اختیار کرلی۔ اس کے نتیجے میں مسلم ہند میں عدلیہ انتظامیہ میں ضم ہوگئی۔ یہ ایسی صورت حال تھی کہ جس کی اسلام اور ابتدائی خلفا نے ہمیشہ حوصلہ شکنی کی تھی۔ ایسے گورنر جنھوں نے صوبوں میں بادشاہ کے اختیارات ہتھیا لیے تھے، اب بدعنوان عدالتی افسروں کی نگرانی کرنے پر مجبور ہوگئے کیوں کہ ہر عدالتی افسر اب ہر قسم کے مقدمے کی سماعت کر رہا تھا۔ اس صورت حال کا خاتمہ ۱۷۷۲ء میں ایک انگریز افسر کے ہاتھوں ہوا۔ قانونی اور عدالتی ضابطوں میں نقائص کے بجائے انصاف کی فراہمی میں بدعنوانیوں کا الزام شریعت محمدی یا ہندو ججوں پر لگانا مناسب نہ ہوگا۔[۸۳] یہ تھی معاملات کی صورت حال جب ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۱۷۶۵ء میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے صوبہ بنگال میں دیوان مقرر کیا گیا۔[۸۴] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم ہند کا مستقبل ہمیشہ کے لیے تبدل ہو چکا تھا۔

❁❁❁❁❁❁

83- Range A, Report of the Committee of Circuit 1772, 19:371.

۸۴- ۱۷۱۷ء میں کمپنی نے کلکتہ کے قریبی ۳۸ دیہات کے محصولات اکٹھے کے حقوق حاصل کر لیے۔ ۱۷۵۶ء میں نواب سراج الدولہ نے کلکتہ کو فتح کر لیا۔ اگرچہ برطانیہ نے مشہور جنگ پلاسی میں اسے دوبارہ حاصل کر لیا مگر اسے اپنا مقبوضہ بنانے کے بجائے میر جعفر کو اس کا نواب مقرر کر دیا۔ ۱۷۶۵ء میں اس کا نابالغ بیٹا نجم الدولہ اس کا جانشین بنا۔ میر جعفر نے ۲۴ پرگانہ کی زمین داری (جاگیر) کمپنی کو دے دی جو اب آٹھ سو مربع میل پر قبضہ حاصل کر چکی تھی اور اس کے حدود صدارتی اضلاع تک پھیل چکے تھے۔ اس کے زیر نگین علاقے کو مفصل کہا جاتا تھا۔ مفصل میں کمپنی نے انصاف کی فراہمی کے لیے عدالتی نظام متعارف کروایا۔